سورة المنافقون

یہ مدنی ہے اس میں گیارہ آیات ہیں۔اور ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۃ الجمعۃ پڑھتے تھے اور اس سے اہل ایمان کو جوش دلاتے تھے۔اور دوسری رکعت میں سورۃ المنافقون پڑھتے تھے اس سے منافقین کو چلاّتے تھے اسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

(ا) **اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ** (ترجمہ: جب تمہارے پاس منافق آتے ہیں) بعض مفسرین نے کہا یہ غزوہ بنی المصطلق میں نازل ہوئی۔جو کہ عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے پیروکاروں کی وجہ سے ہوا تھا۔اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ دو صحابہ کرام کا پانی پر جھگڑا ہو گیا اور یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق کے دوران ہوا۔پس ان میں سے ایک نے دوسرے کو زخمی کر دیا پس زخمی نے آواز لگائی یا للانصار اور زخمی کرنے والے نے صدا بلند کی۔ یا للمهاجرين ۔پس عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ مت کرو یہاں تک کہ چھوڑ کر چلے جائیں اور کہا عزت دار طاقتور ذلیلوں کو شہر سے باہر کر دیں گے۔اور عزت دار سے اس نے اپنے آپ کو مراد لی۔زید بن ارقم نے یہ بات سنی اور اسے رسول اللہ ﷺ کو جا کر سنا دی۔پس رسول اللہ ﷺ نے اسے ملامت کی تو اس نے قسم اٹھالی کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔جس پر زید بن ارقم کو متہم کیا گیا۔پس اللہ نے اذا جائک المنافقون نازل کی۔اور اس کے معنی ہیں جب وہ آپ تک پہونچیں گے۔ **قَالُوْا** (ترجمہ:۔تو کہیں گے) یہ جواب شرط ہے اور کہا جاتا ہے کہ حال ہے یعنی اذا جاء ک المنافقون قائلین (جب تمہارے پاس منافق کہتے ہوئے آئیں) **نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ** (ترجمہ:۔گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں) انہوں نے ان اور لام کے ساتھ ان کی شہادت کی تاکید کی۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے قول کو مومن ان کے نفاق کے سبب سوائے جھوٹ کے کسی اور شئے پر محمول نہیں کریں گے۔یعنی وہ جو کچھ اظہار کر رہے ہیں جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اس سے مختلف ہے لہذا اپنی شہادت کی انہوں نے تاکید کی تاکہ یہ دلالت ہو کہ جو کچھ انہوں نے کہا صرف بصمیم قلب و خلوص اعتقاد سے کہا۔اور نشهد کے معنی میں نحلف یعنی حلفیہ کہتے ہیں کہ بلا شبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔پس یہ قسم کی جگہ ہے اسی لئے اس کے جواب میں جو آگے بیان ہوا وہ جواب قسم ہے۔اسی طرح کبھی بھی يعلم ونعلم بھی قسم کی جگہ آتا ہے۔جیسا کہ شاعر نے کہا۔

ولقد علمت لتاتين منيتى ان المنايا لا تطيش سهامها

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ (ترجمہ:۔اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں) کہا جاتا ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہے اس سے پہلے آنے والے مضمون پر کہا گیا اور وہ یہ کہ جو کچھ شہادت میں نے ظاہر کیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ **وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ**

لَكٰذِبُوْنَ (ترجمہ:۔ اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ منافق واقعی جھوٹے ہیں) کیونکہ انہوں نے جو کچھ ظاہر کیا وہ خلاف تھا۔ اس کے جو انہوں نے چھپایا کیونکہ جو کچھ انہوں نے ظاہر کیا وہ اس پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور اس پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ پس وہ یا تو مفہوم دعوی میں جھوٹے ہیں یا شہادت کو حقیقی معنوں میں استعمال کیا گیا۔ یا اپنے تئیں بھی وہ جھوٹے ہیں۔

(۲) **اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً** (ترجمہ:۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے) اس کے ذریعے اسیری اور قتل سے بچتے تھے۔ جمہور قراء نے ایمان کو ھمزہ پر زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایمان جمع ہے یمین کی۔ حسن نے اس کو ھمزہ کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس کا مصدر کے طور پر آمن یومن سے۔ یعنی انہوں نے قسموں کو ڈھال بنایا ہے جس میں وہ چھپتے ہیں اور اپنی اموال اور نفوس کا دفاع کرتے ہیں۔ جُنة ایسی چیز کو کہتے ہیں جس سے حرب وقتال میں اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ **فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** (ترجمہ:۔ اور ان کے ذریعہ (لوگوں کو) راہ خدا سے روک رہے ہیں) یعنی وہ لوگوں کے دلوں میں شکوک اور اوہام پیدا کر کے اسلام سے روکتے تھے۔ **اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** (ترجمہ:۔ بلاشبہ برائی وہ کرتے تھے) اپنے نفاق سے۔ (منافقت سے) اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے۔

(۳) **ذٰلِكَ** (ترجمہ:۔ یہ) یعنی کذب اور رکاوٹ۔ **بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا** (ترجمہ:۔ کیونکہ وہ ایمان لائے) ظاہری طور پر باللسان (زبانی) **ثُمَّ كَفَرُوْا** (ترجمہ:۔ پھر وہ کافر ہو گئے۔ بالقلب۔ زبان سے ایمان لانے اور قلب کے اندر کفر کے درمیان فاصلہ نہیں جیسے کہ لفظ ثم کا تقاضہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کفر کی خبر دینے میں ترتیب وفاصلہ رکھا گیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان لائے اور پھر مرتد ہو گئے۔ **فَطُبِعَ** (ترجمہ:۔ مہر لگادی گئی) ٹھپّہ لگا دیا گیا۔ **عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** (ترجمہ:۔ ان کے دلوں پر) ان کے کفر کی وجہ سے۔ جمہور نے فطُبع کو مفعول بر مبنی پڑھا ہے۔ لیکن زید بن علی نے فاعل پر مبنی یعنی فطبع الله پڑھا ہے اور اسی طرح اعمش نے بھی زید کی روایت سے اللہ کی صراحت کے ساتھ پڑھا ہے۔ **فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ** (ترجمہ:۔ پس وہ نہیں سمجھیں گے) اپنے ایمان میں اپنی صلاحیت کو اور اپنے کفر میں فساد اور نفاق کو۔

(۴) **وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ** (ترجمہ:۔ اور جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کے اجسام تمہیں خوشنما لگیں گے)۔ اس لئے کہ وہ اچھے اچھے کپڑے پہنتے تھے کہ ان کی خوش پوشا کی دیکھنے والوں کو تعجب میں ڈال دیتی تھی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ابن ابی قد آور اور فصیح تھا زبان کا تیز تھا اور اسی طرح منافقوں کا گروہ تھا اور وہ مدینہ کے روساء تھے اور رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور دیوار سے ٹیک لگاتے تھے۔ محمد ﷺ اور حاضرین ان کی ہیئت پر تعجب کرتے تھے۔ **وَاِنْ يَّقُوْلُوْا** (ترجمہ:۔ اور اگر وہ بولیں) آپ ﷺ کی مجلس میں بات کریں۔ **تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ** (ترجمہ:۔ تو آپ ان کی بات غور سے سنیں) ان کی وضاحت ان کی زبانوں کی تیزی اور ان کے کلام کے نت نئے اسلوب سنیں۔ جمہور نے تسمع کو تاءِ الخطاب سے پڑھا ہے۔ اور عکرمہ اور عطیہ نے اسے یُسمع بالیاءِ مفعول پر مبنی پڑھا ہے۔ **كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ** (ترجمہ:۔ گویا کہ وہ دیوار کے سہارے سے کھڑی لکڑیاں

ہیں) اس کی تقدیر ہے۔ **ھم کانھم خشب مسندة** یا یہ مستانفہ کلام ہے اس کا کوئی محل نہیں ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس کا محل نصب میں حال ہے۔ اور اس کا ذوالحال **قولھم** کی ضمیر ہے۔ یہ ابوالبقاء نے کہا کہ مجلس نبی ﷺ میں ان کی بیٹھک کو تشبیہ دی گئی وہ دیوار کے سہارے دے کر کھڑی کی گئی لکڑی کے ساتھ جو نہ سنتی ہے اور نہ سمجھی ہے اور علم وفہم نہ ہونے کی وجہ سے ان کا حال بھی اس کھڑی لکڑی کی طرح ہے۔ جمہور نے **خشب** کی خاء اور شین کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابراء بن عاذب' ابوعمرو بن العلاء' الکسائی اور ابن کثیر مکی نے شین کو سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جمع **خشباء** کی ہے جیسے **حمراء** کی جمع **حمر** ہے اور یہ لکڑی ہے جس کے جوف میں کچھ بھی نہ ہے۔ پس ان کو اسی سے تشبیہ دی گئی ہے ان کے بطون علم وفہم سے خالی تھے۔ ابن المسیب اور ابن جبیر نے دوز بروں کے ساتھ خشب پڑھا ہے۔ یہ اسم جنس ہے واحد **خشبة** ہے۔ **يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ** (ترجمہ:۔گمان کرتے ہیں ہر زوردار آواز کو) جو انہیں سنائی دے۔ **عَلَيْهِمْ** (ترجمہ:۔اپنے اوپر) یعنی اپنے اوپر نازل ہونے والی اپنی بزدلی کی زیادتی اور کم ہمتی کی وجہ سے۔ مقاتل نے کہا جب بھی کوئی آواز سنتے تھے کسی گم ہونے والی چیز کی یا کسی وجہ سے چیخ وپکار یا انہیں نزول وحی کی خبر دی جاتی تو ان کے ہوش اُڑ جاتے تھے تو اس ڈر سے کہ کہیں اللہ ان کے بارے میں کوئی ایسی شئی نازل نہ کردے کہ ان کا خون اور اموال مباح قرار دے دیا جائے لہذا اپنی بزدلی اور کمزوری کی وجہ سے مشابہہ ہیں بے عقل اور بے روح جسموں کے۔ **هُمُ الْعَدُوُّ** (ترجمہ:۔یہی دشمن ہیں) یہ مفعول ثانی ہے **حسبان** کا اور **علیھم** متعلق ہے **صیحة** سے۔ یہ مقاتل اور السدی نے کہا یعنی جب لشکر میں کوئی منادی ہوتی' کوئی جانور چھوٹ کر بھاگ پڑتا یا گم شدہ اونٹ کو ڈھونڈا جاتا تو وہ خیال کرتے ہیں کہ وہی مراد اور مطلوب ہیں کیونکہ ان کے قلوب میں رعب ومصیبت طاری تھی۔ **فَاحْذَرْهُمْ** (ترجمہ:۔ان سے ہوشیار رہو) کہ کہیں وہ تمہارے راز نہ جان لیں یا ایسا فعل کرنے پر قادر ہوجائیں جو تمہیں ضرر پہنچائے۔ اور کہا جاتا ہے ان سے ہوشیار رہو وہ تمہارے دشمنوں کے جاسوس ہیں آپ سے جو کچھ دیکھتے ہیں وہ انہیں جاکر بتاتے ہیں۔ اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ رازوں کی حفاظت اور ارادوں کا اخفاء ایک لازمی امر ہے۔ **قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ** (ترجمہ:۔ان پر اللہ کی مار ہیں) یہ کلمۂ ذم وتوبیخ ہے۔ اور معنی ہیں اللہ نے ان پر لعنت بھیجی اسی طرح فراء نے اللہ کے ارشاد **قتل الانسان ما اکفرہ** کی تفسیر کرتے ہوئے کہا اس کے معنی ہیں **لعن الانسان** اور آپ پر مخفی نہیں کہ فاعل کا طریقہ دو کے درمیان اکثر وبیشتر ہوتا ہے اور کبھی کبھار ایک سے بھی ہوتا ہے۔ جیسے **سافرت** اور **طارقت** پس اسی طرح **قاتله الله** یعنی **لعنه الله** اور یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ ہلاک کرے اور ابوعیسیٰ کی بھی یہی رائے ہے۔ **اَنّٰى** (ترجمہ:۔اسی طرح) یعنی کیسے۔ **يُؤْفَكُوْنَ** (ترجمہ:۔پھرتے ہیں) یعنی حق سے پھرتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ رشد وہدایت سے پھرتے جاتے ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ وہ حق سے مڑ جاتے ہیں۔

(۵) **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ** (ترجمہ:۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے) یعنی منافقین سے **تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ** (ترجمہ:۔آؤ رسول اللہ تمہارے لئے استغفار کریں گے) یعنی رسول اللہ ﷺ کے پاس آؤ اس لئے کہ تمہارے بارے میں قرآن نازل ہوا۔ اور اللہ سے توبہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تمہاری توبہ' نبی ﷺ کے استغفار کی وجہ سے قبول فرمالے۔ **لَوَّوْا رُءُ**

وُسَهُمْ (ترجمہ:۔تو وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں) یعنی اپنے سروں کو مذاق اڑانے والے انداز میں حرکت دیتے ہیں۔کہا جاتا ہے الوی الرجل راسه ولواه امال تشدید اور مبالغہ کے لئے ہے اسی معنی میں فرعان بن الاعرف کی شعر ہے۔

تغمد حقی ظالماس ولوی یدی　　لو ایده الله الذی هو غالبه

جمہور قراء نے لوّوا تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور تخفیف سے بھی پڑھا گیا ہے۔ ابوعبید نے قول اول کو اختیار کیا ہے۔
وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ (ترجمہ:۔اور آپ ان کو دیکھیں گے وہ بے رخی کرتے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں) الصّد کے معنی ہیں الاعراض (بے رخی) یعنی گریز کرتے ہیں۔اور اسی کے بارے میں قطامی کا شعر ہے۔

ابصارهن الی الشبان مائله　　وقدارا هن عنهم غیره صداد

مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا مریسیع کے چشمے پر بنی مصطلق سے تصادم ہوا ان سے لڑائی کی اور ان کو شکست دی۔ پانی پر سے جھگڑا ہو گیا۔ججاہ بن سعید نامی حضرت عمر کے پاس ایک مزدور تھا اس کا اور سنان الجہنی سے جو ابن ابی کا حلیف تھا پانی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا ججاہ نے آواز لگائی " یا المهاجرین (مہاجرو مدد کے لئے آؤ) اور سنان نے صدا بلند کی یاللانصار (انصاریو مدد کے لئے پہنچو) فقراء مہاجرین میں سے جعال نے ججاہ کی مدد کی۔اور سنان کو تھپڑ مار دیا اس پر عبداللہ ابن ابی نے جعال سے کہا تو یہاں؟ تیری جراءت اور اس نے کہا صبح ہونے دو ہم بھی محمدؐ کو تھپڑ لگائیں گے۔خدا کی قسم ان کی مثال اور ہماری مثال سوائے اس کے کچھ نہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے اپنے کتے کو موٹا کر کہ تجھے کھا جائے۔جب ہم مدینے لوٹیں گے تو ہم میں سے عزت میں جو اونچا ہوگا وہ ذلیل کو نکال باہر کر دے گا۔اونچی عزت والا اس نے اپنے آپ کو کہا اور رسول اللہ ﷺ کو ذلیل کہا۔پھر اس نے اپنی قوم سے کہا خدا کی قسم اگر جعال کو دینے سے رک جاتے اور بچا کچا کھانا اسے نہ دیتے تو یہ لوگ تمہاری گردنوں پر سوار نہیں ہوتے۔ان پر کچھ نہ خرچ کرو تا کہ یہ محمد ﷺ کے پاس سے ہٹ جائیں۔پس یہ زید بن ارقم نے جو کم سن لڑکے تھے سنا اور کہا کہ خدا کی قسم تو اپنی قوم میں ذلیل حقیر اور قابل نفرت ہے۔اور محمد ﷺ کو رحمٰن نے عزت دی ہے۔اور مسلمانوں کے دلوں کی وہ قوت ہیں۔اس پر عبداللہ نے کہا خاموش ہو جا میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔زید نے یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہونچائی حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن مار دوں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسے میں یثرب میں بہت ناکیں خاک آلود ہو جائیں گی۔تو عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ پھر آپ کسی انصاری کو حکم دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسے میں لوگ باتیں کریں گے کہ اپنے ہی ساتھیوں کو مارتا ہے۔پھر آپ ﷺ نے عبداللہ سے پوچھا جو بات مجھ تک پہنچی وہ کیا تو نے کہی ہے تو اس نے کہا آپ پر کتاب نازل کرنیوالے اللہ کی قسم میں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی زید جھوٹا ہے۔اللہ کے ارشاد گرامی اتخذوا ایمانهم جنة کے یہی معنی ہیں۔تو وہاں موجود لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے اس بڑے بوڑھے کی بات کو سچا نہیں سمجھ رہے۔ممکن ہے اس لڑکے کو وہم ہوا ہو۔پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے زید سے کہا اے لڑکے اللہ نے تیری تصدیق کر دی اور منافقوں کی تکذیب فرما دی۔پھر جب عبداللہ کا جھوٹ کھل

گیا تو اس سے کہا گیا کہ تیرے بارے میں بہت سخت باتیں نازل ہوئیں ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس چل وہ تمہارے لئے معافی کی دعا کریں گے تو اس نے اپنے سر کو جھکا دیا۔ لوّوا رؤسھم کا یہی مطلب ہے۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد عبداللہ بیمار ہوا اور مر گیا۔

(۶) **سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ** (ترجمہ:۔ان کے لئے برابر ہے چاہے آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ انہیں معاف کرے گا۔ بلاشبہ اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا) استغفرت کو حرف الاستفہام کے حذف کے ساتھ پڑھا گیا۔ اس دلالت پر اعتماد کرتے ہوئے کہ اس کے ساتھ ''ام'' موجود ہے۔ اور استغفرت بھی پڑھا گیا۔ ھمزہ استفہام کو نمایاں کرتے ہوئے اور ھمزہ الوصل کو بدل کر نہیں۔ معنی یہ ہیں جب وہ آپ کے پاس (معتذرین من جنایتھم) اپنی قسموں کے عذر پیش کرتے ہوئے آئیں تو آپ ان کے لئے مغفرت کریں یا نہ کریں برابر ہے۔ اللہ ان کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ نافرمانی پر مصر ہیں اور نفاق وکفر پر مستکبر ہیں۔ فسق سے مراد اللہ کی اطاعت سے ان کا باصرار خروج ہے۔ اور یہاں یہی مراد ہے جو فسق کامل ہے۔ اور جب ان کے نفوس کفر ونفاق کے عادی ہیں تو اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

(۷) **هُمُ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ** (ترجمہ:۔یہی وہ ہیں جو کہتے ہیں) انصار سے **لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰى مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ** (ترجمہ:۔رسول اللہ کے پاس جو لوگ ہیں ان پر مت خرچ کرو) اور وہ فقراء ومہاجرین ہیں **حَتّٰى يَنۡفَضُّوۡا** (ترجمہ:۔یہاں تک کہ وہ چھوڑ جائیں) یعنی وہ منتشر ہو جائیں۔ انفض القوم یعنی جب ان کا زاد راہ ختم ہو جائے۔ اور عیسیٰ نے ینفضوا پڑھا ہے انفض سے۔ صاحب الکشاف نے کہا حقیقت یہ ہے کہ ان کی خواہش تھی کہ وہ لوگ بھاگنے کے قریب ہو جائیں ساز وسامان کی قلت کی وجہ سے۔ **وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ** (ترجمہ:۔زمینوں اور آسمانوں کے خزانے اللہ کے ہیں) اللہ نے ان کے زعم کو رد کر دیا اور ان کا زعم یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اردگرد مہاجرین کے لئے ان کا عدم نفاق سبب بنے گا ان کے بھاگنے کا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ رزق کے خزانے اور ان کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ وہ جسے چاہے گا عطا کرے گا اور جس پر چاہے گا تنگ کرے گا۔ **وَلٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَفۡقَهُوۡنَ** (ترجمہ:۔لیکن منافق نہیں سمجھتے ہیں) یہ اللہ کے بارے میں ان کے جہل کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے وہ شیاطین کے باطل وساوس پر اتراتے رہتے تھے۔

(۸) **يَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ** (ترجمہ:۔وہ کہتے ہیں اگر ہم لوٹے) غزوہ بنی المصطلق سے۔ **اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ** (ترجمہ:۔مدینہ کی طرف تو عزت دار قوی وہاں سے کمزور وذلیل کو نکال باہر کردے گا۔) جمہور نے اَخرَجَ میں سے یائے تحتانیہ پڑھا ہے۔ یہ ابن سلول کا کلام ہے اور حسنؒ ابن ابی عبلہ اور سبی نے اختیار کیا ہے۔ کہ یہ لنخرجن ''نون'' کے ساتھ ہے۔ اسی تقدیر عبارت پر الاعز کو منصوب مفعول کے طور پر اور الاذل کو حال کے طور پر مانا جائے گا۔ یعنی ''نخرج'' الاعزمن المدینۃ حال کو نھم اذلین (ہم مدینہ سے قوی عزت دار کو اس حال میں نکالیں گے کہ وہ ذلیل وکمزور ہوں گے) اور

عمرو الدانی کے مطابق حسن نے اسے لنخرجن پڑھا ہے۔ن کی زبر' را کے پیش کے ساتھ اور الاعز کو منصوب کیا اختصاص کی بناء پر۔ جیسے کہا جاتا ہے نحن العرب اقری الناس للضیف الاذل کو حال ہونے کی وجہ سے اس پر (زبر) دیا گیا۔ابوحیان نے کہا اور اس قراۃ کو ابوحاتم نے پڑھا ہے اور کسائی اور فراء نے کہا ہے کہ ایک قوم نے لِیَخرُجَنَّ میں یا کو زبر اور را کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔الاعز فاعل ہونے کی وجہ سے اور الاذل کو حال ہونے کی وجہ سے منصوب کیا گیا ہے۔اور مفعول ہونے کی وجہ سے مبنی پڑھا گیا ہے۔اور یاء کے ساتھ اور الاعز کو مرفوع' الاذل کو حال پڑھا گیا ہے۔حال کو معرفہ کی صورت میں ہونا بصرہ والوں کے نزدیک متاول ہے (تاویل کی گئی ہے)۔مفسروں نے کہا ہے کہ مروی ہے کہ عبداللہ ابن ابی کے بیٹے نے جب یہ آیت سنی تو وہ اپنے باپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اللہ کی قسم ابا تو ہی ذلیل ہے اور رسول اللہ ﷺ عزت دار ہیں۔پھر جب وہ مدینہ کے قریب پہونچے تو اس نے اس پر تلوار سونت لی۔اور رسول ﷺ کے اجازت دینے تک اس شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔اس سے کہا پیچھے رہو تم شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔جب تک تم کہیں کہ رسول اللہ ﷺ معزز ہیں اور میں ذلیل ہوں پھر وہ مسلسل اپنے بیٹوں کے ہاتھوں میں یرغمال رہا اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے جانے دو۔ **وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ** (ترجمہ:۔عزت تو اللہ کے لئے ہے) یعنی غلبہ اور قوت **وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ**۔ (ترجمہ:۔اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے اور لیکن منافق نہیں جانتے) روایت کی جاتی ہے کہ ابن عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنے باپ سے کہا اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی شہادت عزت سے نہیں دو گے تو واقعی میں تمہاری گردن ماردونگا۔اور کہا کیا تم ایسا کرنے والے ہو۔پس اس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ عزت اللہ'اس کے رسول اور مومنوں کی ہے۔ اور حسن بن علیؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اس سے کہا لوگ تیرے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ تجھ کو دنیا کی اکڑ ہے اس نے کہا اکڑ نہیں عزت ہے پھر اس نے یہ آیت پڑھی۔عمومی طور پر تیہ کے معنی بڑائی کرنے کے ہیں۔اور جس شخص میں یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے جبکہ صاحب عزت شخص اس صفت کو اپنے اندر موجود پائے تو اپنے آپ کو دوسروں سے اعلیٰ نہیں سمجھتا اسی وجہ سے عزت پسندیدہ شئے ہے اور تیہ مذموم ہے۔

(۹) **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ** (ترجمہ:۔اے ایمان والو تم کو غافل نہ کردے) یعنی مصروف نہ کردے **اَمْوَالُكُمْ** (ترجمہ:۔تمہارا مال) یعنی کسب اموال اور اس میں تصرف **وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ** (ترجمہ:۔اور نہ ہی تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے) کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ دین ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ پانچوں نمازیں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ حقیقی طور پر مراد ہے اور معنی ہیں جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کا نفس مال واولاد میں مشغول نہیں رہتا۔ **وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ** (ترجمہ:۔جو ایسا کریں گے) دنیا میں مشغول ہو جائیں گے۔ **فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** (ترجمہ:۔تو یہی لوگ ناکام رہنے والے ہوں گے) کیونکہ انہوں نے باقی رہنے والی چیز کے بدلے میں فانی چیز خرید لی۔

(۱۰) **وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ** (ترجمہ:۔جو ہم نے تمہیں عطاء کیا اس میں سے خرچ کرو) یعنی جو ہم نے عطا کیا اس

میں سے کچھ (فضل وکرم) احسان وبخشش کے ساتھ۔ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ (ترجمہ:۔اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے) یعنی اس سے پہلے کہ وہ اس کی علامات دیکھے فَيَقُوۡلَ (ترجمہ تو وہ کہنے لگے) جب اس کو اس کے آنے کا یقین ہو جائے۔ رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ (ترجمہ:۔اس مرے رب تو نے مجھے کیوں مہلت نہیں دی) یعنی مجھے مہلت دے۔ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ (ترجمہ:۔تھوڑے وقت تک) یعنی تھوڑی مدت کے لئے۔ فَاَصَّدَّقَ (ترجمہ:۔تو میں خیرات کرتا) وج اب تمنا کے طور پر ہے اور وہ ارشاد باری ہے۔ لولا اخر تنی. ابی اور عبد اللہ ابن ابی جبیر نے اسے فالصدق پڑھا ہے۔ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ (ترجمہ:۔اور نیک کام کرنے والوں پر شریک ہو جاؤں) ساتوں قراءتوں کے جمہور نے "واکن" کو مجزوم پڑھا ہے۔ صاحب الکشاف نے کہا واکن جزم کے ساتھ فاصدق کے محل پر عطف ہے گویا کہا گیا ہے کہ ان اخرتنی اصدق واکن من الصالحین یہی قول ابو علی فارسی کا ہے۔ سیبویہ نے خلیل کے حوالہ سے کہا واکن مجزوم ہے شرط کے توہم پر جو تمنا پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ان کی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ شرط ظاہر نہیں ہے۔ اور عطف ہے موضع پر۔ کیونکہ شرط ظاہر ہوتی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ من یضلل الله فلا هادی له و یذرهم (الاعراف ۱۸۶) پس جس نے مجزوم پڑھا ہے تو اس نے فلا هادی له کے موضوع پر عطف کیا ہے کیونکہ وہاں فعل واقع ہوتا تو مجزوم ہوتا۔ حسن، ابن جبیر، ابو رجاء، ابن ابی اسحاق، مالک بن دینار، اعمش ابن محیصن، عبد اللہ بن الحسن العنبری اور ابو عمرو نے واکون نصب کے ساتھ فاصدق پر عطف پڑھا ہے۔ اور اسی طرح مصحف عبد اللہ اور ابی میں ہے اور عبید بن عمیر نے ن پر پیش کے ساتھ پڑھا ہے بطور استئناف یعنی انا اکون۔

(۱۱) وَلَنۡ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا (ترجمہ:۔اور اللہ کسی کو مہلت نہیں دیتا۔) موت سے، اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا (ترجمہ:۔جب اس کا مقررہ وقت (اجل) آ جائے) جس کا علم اللہ ہی کو ہے یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ (ترجمہ:۔اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے) جمہور نے "تاء" کو تمام لوگوں سے خطاب کے لئے پڑھا ہے لیکن ابوبکر نے یاء کے ساتھ خاص طور پر کفار کے لئے وعید کے طور پر پڑھا ہے۔ اور عموم پر محمول ہے اور معنی یہ ہیں مقررہ مدت کے بعد کسی کو مہلت دینا محال ہے۔ پس مومن پر واجب ہے فرائض، واجبات ادا کرے اللہ کو بہت زیادہ یاد کرے اور اللہ کے راستے میں موت کے آنے سے پہلے خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے اعمال کی جزا دے گا کیونکہ وہ مخلوق کے اعمال سے بہت زیادہ باخبر ہے۔